# اُردو اَدب اور آزادی ''دروازہ کھلتا ہے'' کے حوالے سے

ڈاکٹر عرفان احمد خان

Dr. Irfan Ahmad Khan,

Assistant Professor, Department of Urdu,

Lahore Garrison University, Lahore.

ڈاکٹر محمد اعجاز تبسم

Dr. Muhamad Ijaz Tabassam

Assistant Professor, Department of Urdu,

Lahore Garrison University, Lahore.

***Abstract:***

*In Urdu Literature about partition well written by most of Urdu fiction writers. After a long time Col. Abdal Bela written about it in his novel: "Darwaza Khulta Hai" and its revolve as of seven decades which show us hidden facts about independence.*

انسان کے لیے آزادی کائنات کی عظیم ترین نعتم ہے۔ تقسیمِ ہند، آزادی، مہاجرین کا تبادلہ، فسادات، اندرونی خلفشار اور اس کے اثرات برصغیر کے سماج پر جو مرتب ہوئے اس ضمن میں ہندوستان و پاکستان میں خاصا ادب تخلیق ہوا بالخصوص جون ۱۹۴۸ء میں شائع ہونے والا رسالہ ''نیا دور'' کا فسادات نمبر اہم ہے۔ اس میں قدرت اللہ شہاب کا ناولٹ ''یا خدا'' منظرِ عام پر آیا جسے تقسیمِ ہند کے حوالے سے اولین تحریر کا درجہ حاصل ہے لیکن منٹو کے افسانے ''تماشا'' (۱۹۳۴ء)، ''نیا قانون''، ''کھول دو''، ''دیوانہ شاعر''، ''نعرہ''، ''ماتمی جلسہ''، ''پھولوں کی سازش''، ''شغل''، ''ٹوبہ ٹیک سنگھ''، ''انجام بخیر''، ''یزید''، ''سراج''، ''اللہ دِتا''، ''گورمکھ سنگھ کی وصیت''، ''دو قومیں''، ''آخری سیلوٹ'' اور ''ٹیٹوال کا کتا'' تحریکِ آزادیِ ہند، تقسیمِ ہند کے دوران اور بعد میں پیدا ہونے والے حالات، ظلم و ستم، بربریت، انسانی استحصال، مذہبی، سیاسی اور اخلاقی بے راہ روی، مہاجرین کی افراتفری، بے بسی، بغاوت، عصری و سیاسی رجحانات اور مسلمان قوم کے نفسیاتی و سیاسی جذباتیت کے ایک طرف آئینہ دار ہیں تو دوسری طرف اپنے عہد کے بھرپور عکاس بھی ہیں۔ علاوہ ازیں خدیجہ مستور کے دو ناول ''آنگن'' اور ''زمین'' کا موضوع بھی آزادی اور تقسیمِ ہند کی وجہ سے پیدا ہونے والی سماجی اور تہذیبی صورتِ حال ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں ''تقسیم'' کے دوران جس طرح نسلِ انسانیت کا بہیمانہ قتل اورنفسیاتی و جسمانی استحصال ہوا اس سے تاریخِ انسانی کے اوراق لہو اور داستانِ عبرت ناک سے تر نظر آتے ہیں۔

حال ہی میں ابدال بیلا کے ناول ''دروازہ کھلتا ہے'' کو پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ آزادی کے حوالے سے ابدال بیلا کے اس ناول ''دروازہ کھلتا ہے'' میں ایک باب ''بٹوارہ'' ہے جس میں خاصی تحقیقی اور نئی باتیں موجود ہیں جنہوں نے مطالعہ کے دوران میری توجہ جذب کی۔ میں نے سوچا کہ ان میں مزید قارئین کو بھی شامل کیا جائے، جس پر یہ مضمون قلم بند کرنا ضروری سمجھا۔ پاکستان کی اساس چونکہ دوقومی نظریہ پر ہے اس لیے ہم ناول کے ان اقتباسات سے صرفِ نظر کیسے کر سکتے ہیں جس میں دوقومی نظریے کی طرف نہ صرف واضح طور پر اشارہ موجود ہے بلکہ مسلمانوں کی تہذیبی، ثقافتی، مذہبی اقدار اور روایات جو کہ ہندوؤں سے یکسر مختلف تھیں ان کا بیان بھی ملتا ہے:

> ''تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ بٹوارے کا اعلان ہو گیا۔ مسلمان اپنا مقدمہ جیت گئے۔ اُن کی دی ہوئی دلیلوں کا مونٹ بیٹن کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ جب مسلمانوں کے سب سے بڑے لیڈر قائداعظم محمد علی جناح نے اُسے سمجھا دیا کہ دیکھو لارڈ صاحب، یہاں دو الگ الگ قومیں بستی ہیں۔ جن کا جینا مرنا، اُٹھنا بیٹھنا الگ ہے۔ غمی خوشی کے طور طریقے علیحدہ ہیں۔ پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک کی ساری رسومات جدا جدا ہیں۔ ہندوؤں کے سینکڑوں بھگوان اور اوتار ہیں۔ ہمارا صرف ایک خدا ہے۔ وہ جس گائے کو بھگوان کا درجہ دیتے ہیں ہم اسے شوق سے ذبح کر کے کھا جاتے ہیں۔ ہم میں اور ہندوؤں میں اگر کوئی چیز مشترک ہے تو وہ صرف تمہاری انگریز کی غلامی ہے۔ اس غلامی کا طوق اُتارنے میں اس وقت ہندو اور مسلمان دونوں متفق ہیں۔ اس لیے بہتر ہے تم اپنا سامان باندھو۔ چلنے کی تیاری کرو۔ اس ملک میں جہاں مسلمان اکثریت سے بستے ہیں وہ مسلمانوں کے حوالے کرو، جہاں غیر مسلم ہیں وہاں انہیں راج کرنے دو۔ وہ بھی موج کریں، ہمیں بھی عزت سے جینے دو۔ ہمارا پاکستان ہمیں دو۔''(۱)

برصغیر پاک و ہند میں اپنی آمد کے بعد انگریزوں نے تجارت کی آڑ میں آہستہ آہستہ اس کے سیاسی مسائل اور سلاطین کی انتظامی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حکومت میں مداخلت شروع کر دی لہٰذا مسلمانوں کی نااتفاقی اور لالچ کو دیکھتے ہوئے یہاں ''پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو'' کے اصول کو اپنا

کر اپنا اثر ورسوخ جما لیا۔ وہ اپنی سیاسی چالوں سے یہاں کے جاگیردار، وڈیرے نواب، راجاؤں اور سرداروں کو بالآخر اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے اور اس طرح مٹھی بھر انگریزوں نے ہندوستانی عوام کو ۹۰ برس تک اپنا غلام بنائے رکھا۔ اس کی مثال ابدال بیلا نے اپنے ناول میں بھیڑیے کی دی ہے، ان کا کہنا ہے کہ وہ ناجائز طریقے یا حربے استعمال کرنے پر کبھی بھی یقین نہیں رکھتے تھے اور انتہائی بااصول شخصیت تھے:

''انگریز حکمران تھوڑے سے تھے۔ اُن کی تعداد تو یہاں اتنی کم تھی کہ کہتے ہیں، اگر یہاں انسانوں کی جگہ اتنی تعداد میں بھیڑ بکریوں کے ریوڑ بھی ہوتے تو انہیں ہانکنے کے لیے زیادہ گڈریوں کی ضرورت پڑتی۔ مگر وہ انوکھے گڈریے تھے، انہیں انسانوں کو ہانکنا آتا تھا۔ وہ انسانوں کے جتھوں میں اپنے مطلب کے تھوڑے سے حاشیہ نشین چن لیتے، اور اُن کے ہاتھوں میں اپنے ڈنڈے دے کے کہتے کہ باقی کی پرجا کو ہماری طرف سے ہانکو۔ یوں سمجھو وہ بکریوں کے ریوڑ میں اپنی پسند کے چند بدقماش بھیڑیوں کو بکروں کی کھال پہنا کے بکریوں کے شکار کے لیے پال چھوڑتے تھے۔ ان بھیڑیوں نے ابھی تک انہی کی دی ہوئی پوشاک نہیں اُتاری۔ یہ صاحب زادے، وڈیرے، نواب، سردار، جاگیردار انہیں کا دیا ہوا اثاثہ ہیں۔ یہ وہ میراث ہے غلامی کی جو آزادی کے ساٹھ سال ہونے تک بھی ہم سے نہیں چھوٹی۔ پہلے یہ انگریز حاکم کے لیے شکار کرتے تھے۔ اب خود ہی جنگل کے بادشاہ ہیں۔ بھیڑیوں سے یہ شیر بن گئے ہیں۔ پورے جنگل میں بھیڑیوں کے علاوہ، لومڑوں اور لومڑیوں کے انبوہ کو انھوں نے بکریوں کی ناکہ بندی کے لیے پال لیا۔ مجال ہے کسی بکری کو اُس کے حصے کی گھاس ملے۔ گھاس کے تختوں پہ بھیڑیوں کے دانت چمک رہے ہیں۔'' (۲)

SURVIVAL OF THE FITTEST کا محاورہ تو ''انگریز'' پر بڑا فٹ آتا ہے اُس نے ہندو، مسلمان، سکھ کو تو آپس میں لڑوا، مروا دیا مگر خود بڑے سکون کے ساتھ برطانیہ کو نکل گیا۔ اپنے جانے کے بعد بھی ہندو کو مسلمان سے لڑانے کے لیے ''مسئلہ کشمیر'' پیدا کرتا گیا تاکہ یہ آپس میں مسلسل لڑتے رہیں۔ اپنی عوام کو خوشحالی نہ دے سکیں اور ہم سے اسلحہ بھی خریدتے رہیں اور امن کی بھیک بھی مانگتے رہیں۔ انگریز کے جانے کے بعد آج تک دونوں ملکوں کی تاریخ انہیں باتوں کی شاہد

ہے۔ انگریز کی برصغیر میں کی گئی یہ ناانصافی ہندوستانی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ریڈکلف، ماؤنٹ بیٹن، نہرو اور گاندھی کی سازش سے مسلمان اپنے کئی اکثریتی علاقوں سے محروم ہو گئے۔ محروم ہونا تو ایک طرف رہا ہندوؤں کو انھی اضلاع و تحصیلوں سے کشمیر میں بھی مداخلت کا موقع مل گیا۔ مقبوضہ کشمیر میں آج بھی ظلم و جور کی بھٹی میں معصوم انسانوں کو جھونکا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں کئی ہیڈ ورکس اور ان سے نکلنے والی نہریں سرزمینِ ہندوستان میں شامل ہو گئیں جس کی وجہ سے نہری پانی کا مسئلہ پیدا ہوا جو بعد میں سندھ طاس معاہدہ کی شکل میں عالمی بنک نے ۱۹۶۰ء میں جا کر حل کیا:

> ''یہ اجلاس ۱۲ جولائی سے ۱۶ جولائی ۱۹۴۷ء تک ہوئے۔ ۱۳ جولائی کو اتوار تھا۔ اگلے دن سوموار اور منگل کو اس اجلاس کی صدارت ریڈکلف نے خود کی۔ ان چار دنوں میں یہ طے کر لیا گیا کہ بٹوارے کی بنیاد جڑے ہوئے اکثریتی مسلمان اور جڑے ہوئے غیر مسلمان اکثریتی علاقے ہوں گے۔ اگر صرف اتنا ہی اصول رہ جاتا تو پاکستان کی لکیر تو لدھیانہ سے بھی آگے تک پاکستان کے حق میں تھی۔ لدھیانہ، جالندھر، گورداسپور، فیروز پور سبھی پاکستان میں آ جاتے۔ رہ گیا امرتسر، وہ تو کسی غیر مسلم اکثریتی علاقے سے جڑا ہوا نہیں تھا۔ اس لیے اس اصول کے مطابق وہ بھی پاکستان میں آتا تھا۔ مگر نہیں۔ طریقہ کار میں ایک چھوٹی سی سطر کا اضافہ، فل سٹاپ ڈالے بغیر کر دیا۔ کامہ ڈال کے، جہاں اوپر والا طے شدہ اصول لکھا، وہیں لکھ دیا ''اور دوسرے امور کو مدنظر رکھتے ہوئے'' اس کے لیے انہوں نے انگریزی کا لفظ ''اور فیکٹرز'' استعمال کیا۔ ذرا سوچو یہ معمولی سا شوشا ''اور فیکٹرز'' کتنی بڑی ناانصافی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ چودہ مسلمان اکثریتی تحصیلیں اس زمانے کی (جو آجکل ساری کی ساری بذات خود ضلعے ہیں) پاکستان سے کاٹ دی گئیں۔ کشمیر پہ ناجائز قبضہ کر کے، صدیوں تک دشمنی کی بنیاد رکھ دی گئی۔ فیروز پور میں نہروں کا ہیڈ ورکس تھا۔ وہ پاکستان سے کاٹ لینے کا منصوبہ بنایا گیا تو پاکستان کی لاکھوں ایکڑ اراضی کی قسمت میں صحرائی چولستان بننا لکھ دیا گیا۔''(۳)

اس اقتباس کا اختتام ہمیں ہمارے خوفناک بحران کی طرف واضح اشارہ دے رہا ہے۔ پانی کے بحران کے حوالے سے مسعود کھدر پوش بھی فیلڈ مارشل ایوب خان کو سمجھاتے رہے۔ ''ہاری رپورٹ''

لکھنے جیسی جانسوزی کی اور دلیری دکھائی مگر ایوب خان ناعاقبت اندیش دریا فروش صدر ثابت ہوا۔ دنیا بھر میں دریافروشی کا یہ پہلا اور آخری واقعہ تھا۔ ریڈ کلف کی بددیانتی اور بندر بانٹ کے بارے میں ہمیں یہ حقائق بھی ملتے ہیں:

ریڈ کلف ایوارڈ نے پاکستان کو پنجاب کے مندرجہ ذیل مسلم اکثریتی علاقوں سے محروم کر دیا:

''۱۔ضلع گرداسپور
۲۔تحصیل اجنالہ (ضلع امرتسر)
۳۔تحصیل ہشیار پور
۴۔تحصیل دسوہا
۵۔تحصیل نا کودر
۶۔تحصیل جالندھر
۷۔تحصیل فیروز پور
۸۔تحصیل زیرہ
۹۔ضلع لاہور میں قصور کا کچھ حصہ

اس طرح اتفاق رائے نہ ہونے کی بنیاد پر ریڈ کلف نے بنگال اور سلہٹ کے بارے میں بھی اپنا فیصلہ دیا۔ مسلمانوں کو کلکتہ کے اہم شہر سے بھی محروم ہونا پڑا۔ جن پر اُن کا دعوی انصاف پر مبنی تھا۔''(۴)

ہم پاکستانی، دیگر اقوام عالم کے مقابلہ میں خاصے پسماندہ ہیں مگر اپنی کمتری کبھی تسلیم نہیں کرتے۔ ۲ ڈیموں کے لالچ میں ۳ دریا (راوی، ستلج اور بیاس) فروخت کر دیے۔ انگریز کی خوش بختی دیکھیں کہ وہ جو کچھ لوٹ کر لے جا سکتا تھا، ۱۹۴۷ء میں لے گیا۔ مگر جو نوادرات اُس کی ہوس کا شکار ہونے سے بچ گئے تھے وہ آج تک اُن کو لندن میں براہ راست پورے احترام کے ساتھ خود پاکستانیوں کے ہاتھوں پہنچائے جا رہے ہیں، اچھی قیمت مل جانے کے لالچ میں۔ انگریز جاتے جاتے کھیوڑہ نمک کی کانیں اپنی شاہی کمپنی ICI(IMPERIAL CHEMICAL INDUSTRIES) کو 99 سال کی لیز پر دے گیا۔ یہ 99 سال جنرل ضیاءالحق کے 90 دنوں کی طرح جانے کب ختم ہوں گے؟ ہم وہ بدقسمت قوم ہیں جو دنیا کی سب سے بڑی نمک کی کان ہوتے ہوئے بھی لیز والا نمک کھا رہے ہیں۔ نایاب کتب، آرٹ کے نمونے، قیمتی ہیرے، پتھر، جواہرات اور کئی طرح نوادرات آپ کو پاکستان کی بجائے، برٹش میوزیم کی زینت بنے دکھائی دیں گے۔ آپ کو اپنا تاریخی خزانہ وہاں محفوظ ملے گا۔ ان چیزوں کے دفاع کے لیے ہمیں جیسا قومی جذبہ رکھنے والی فوج کی ضرورت تھی، وہ تو ہم نے بنائی ہی نہیں۔ دو قومی نظریہ نے ۱۹۴۷ء میں ہمیں جس قدر مضبوطی عطا کی تھی وہ اب ہم میں کہاں ہے؟ اُردو

ادب تو اپنا حق ادا کر رہا ہے تلخ حقائق سامنے لانے میں مگر اُردو ادب کو شوق سے نظریاتی سطح پر پڑھنے والے لوگ کتنے باقی رہ گئے ہیں؟!!!

## حوالہ جات


۱۔ ابدال بیلا، دروازہ کھلتا ہے (ناول)، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص:۴۵۔۱۵۴۴

۲۔ ایضاً، ص:۴۸۔۱۵۴۶

۳۔ ایضاً، ص:۵۳۔۱۵۴۹

۴۔ سجاد باقر رضوی، پروفیسر، قائداعظم محمد علی جناح۔ معمارِ پاکستان (تاریخ)، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص:۱۷۴


## حواشی

باوجود اسکے کہ ابدال بیلا کا شمار سینئر رائٹرز میں ہوتا ہے، گرائمر اور املا کی غلطیاں اُن کے پورے ناول اور ناول کے منتخبہ حصہ میں بھی موجود ہیں، جنہیں خط کشیدہ کر دیا گیا ہے۔فوجی چونکہ ENGLISH MEDIUM ہوتے ہیں اس لیے اُن کی اُردو کمزور ہوتی ہے۔ ممتاز مفتی کے وہ روحانی شاگرد ضرور ہیں مگر لکھتے اپنی مرضی سے ہیں۔ انہوں نے ''دکان'' کو ''دوکان'' لکھا ہے اور ''ماؤنٹ بیٹن'' کو ''مونٹ بیٹن'' اور اسی طرح ''وائسرائے'' کو ''وائس رائے'' اپنی رائے کے مطابق لکھا ہے اور کچھ یہی معاملہ لفظ ''کارروائی'' کے ساتھ ہے جس کو ''کاروائی'' لکھنے جیسی زحمت اُٹھائی گئی ہے۔ یہ ابدال بیلا سمیت تمام بڑے رائٹرز بشمول مستنصر حسین تارڑ کے لیے لمحۂ فکریہ ہے!!!

☆......☆......☆